رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹

تار کا پتہ
"انجمن"

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ ۲ ؍ آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۵ | ۱۵ ؍ جون ۱۹۵۶ء | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۵ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ | نمبر ۱۲

اردو کی تحریک اور انجمن ترقی اردو

(۳) ممکن ہو اردو کو اس کا حق دلوانا ہے۔

ہم نے ابتک جو کچھ عرض کیا ہے، اس کی صحت حال کے ایک واقعے سے اور واضح ہوگئی ہے چند روز ہوئے بعض اخباروں میں یہ اطلاع چھپی ہے کہ ۱۰ اپریل ۱۹۵۶ء کو ڈاکٹر سیتہ داوی کے ایک سوال کے جواب میں نائب وزیر داخلہ مسٹر داتار نے کہا کہ بعض انجمنوں اور افراد کی جانب سے سندھی، نیپالی اور اردو کو علاقائی زبان بنانے کے لئے یادداشتیں موصول ہوئی ہیں لیکن اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی کیونکہ یہ سمجھا گیا کہ آئین کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت صدر کے ہدایت جاری کرنے کا کوئی کیس نہیں بنتا۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس مختصر اور مبہم جواب کو حکومت ہند کا آخری فیصلہ مان لیا جائے لیکن اس سے ہوا کا رخ ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی حکومت ہند غالباً حکومت یوپی کی مصلحتوں کو اس سلسلے میں اردو کے ساتھ انصاف سے زیادہ اہم سمجھتی ہے اور باوجود پنڈت جواہر لال نہرو کے متعدد اور واضح اعلانات کے اردو کے حق کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کر رہی ہے۔ ہمیں کسی وقت موجودہ حکومت سے یہ خوش فہمی نہ تھی کہ وہ اردو کے معاملے میں حق پسندی سے کام لے سکے گی کیونکہ ہمارے ملک کی سیاست ابھی اخلاقی و ذہنی اعتبار سے اس بلندی تک نہیں پہنچی ہے جو گاندھی جی کے سامنے تھی۔ ہاں ہمیں یہ توقع ضرور تھی کہ پنڈت جواہر لال نہرو کی حکومت اصول اور عمل میں ربط پیدا کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ افسوس ہے کہ یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ ہمیں داتار صاحب کے جواب سے ضرور رنج ہے مگر ہم ابھی پنڈت جواہر لال نہرو کی انصاف پسندی کو بالکل نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہاں ہمیں یہ اور بھی یقین ہو گیا ہے کہ اس مسئلے میں پنڈت جی کی انصاف پسندی کافی نہیں ہے بلکہ ہمیں اکثریت کے ذہن کو بدلنا ہے اور جمہوری

حد بندی کمیشن اور لسانیاتی کمیشن کے سامنے اردو کا مسئلہ بھی آیا ہے ان کی سفارشات سے ہمیں تقویت پہنچ سکتی ہے مگر یہ ہمارے درد کی دوا نہیں ہیں اس لئے انجمن ترقی اردو ہند کا ایک نمائندہ وفد حکومت کے نمائندوں اور ممبران پارلیمنٹ سے ملے گا اور حکومت ہند کو پھر توجہ دلائے گا کہ دستخطی مہم کے متعلق اپنے فیصلے کا واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اظہار کرے۔ یہ کام تو انجمن کو اس لئے کرنا ہے کہ ایک بڑی تحریک کا رخ راستے کی چند دشواریوں کی وجہ سے فوراً بدلا نہیں جا سکتا بلکہ اتمام حجت کے لئے تمام آئینی ذرائع استعمال کرنا دانائی اور ہوشمندی کا تقاضا ہے۔ لیکن انجمن اور حامیان اردو صرف اس طریقہ کار پر تکیہ کر کے بیٹھ رہے تو یہ ان کی کوتاہی ہوگی۔ ہمیں اس سے زیادہ مثبت اور عملی اقدامات بھی کرنے ہیں۔

ممبران پارلیمنٹ سے ملنا اور اردو کا کیس پیش کرنا اس لئے ضروری ہے کہ ابھی ان میں سے بہت سے اس کی مقبولیت سے واقف نہیں ہیں پھر ان کی رائے حکومت کے فیصلے پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔ مگر اس کوشش کا نتیجہ اکتوبر کی اردو کانفرنس میں پیش کر کے اردو والوں کو تحریک کے اگلے قدم کے لئے تیار کرنا ہے۔ اس اگلے قدم میں یہ پہلو شامل ہونے چاہئیں۔

اول:۔ ہمیں ہر ضلع میں مقامی انجمن کے ذریعے سے اور دوسرے اداروں کے تعاون سے اسکولوں میں اردو کو رائج کرانا ہے۔ اردو میں ابتدائی تعلیم کا اصول تو مان لیا گیا ہے، مگر اس پر عمل بہت کم ہو رہا ہے۔ ہمارا اب بھی خیال ہے کہ کچھ ایماندار افسر ہمارے توجہ دلانے پر اس کا انتظام کریں گے اور گو ان کی تعداد کم ہوگی، مگر بارش کے پہلے قطرے کی طرح ایک نیک اقدام سے دوسرے

نیک اقدامات کو تحریک ہوگی۔

دوسرے:- چونکہ تھوڑے ہی آدمی صرف توجہ دلانے سے مناسب انتظامات کریں گے اس لئے ہمیں خود بچوں کے لئے ایسے اسکول کھولنے ہوں گے جن میں اردو کی تعلیم کے ساتھ دوسری درسی ضروریات کا انتظام ہوگا۔

تیسرے:- ہمیں شبینہ مدارس بڑے پیمانے پر قائم کرنے ہوں گے جن میں سے کچھ بچوں کے لئے ہوں گے اور کچھ بالغوں کے لئے اور ان کو ایک تہذیبی مرکز کی حیثیت دینی ہوگی تاکہ ان کی افادیت میں دلکشی رہے۔

چوتھے:- ہمیں اکثریت کی ناواقفیت دور کرنے کے لئے ہندی اور انگریزی میں اردو کی قومی حیثیت، اس کے ہندوستانی پس منظر اور بنیاد، سیاست، تہذیب اور معاشرت میں اس کے اثرات، آزادی کی جدوجہد میں اس کے کارناموں کے متعلق چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کرنے ہوں گے۔

پانچویں:- ہمیں اردو والوں کو برابر اردو کے مقابلے میں مضبوط عقیدہ رکھنے، اس کے کیس کو مضبوطی کے ساتھ پیش کرنے اور اس کے لئے مسلسل سرگرم عمل رکھنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنا ہوگا تاکہ وہ مایوسی اور احساس شکست کا شکار نہ ہوں اور نہ غم و غصے کے عالم میں ہندوستانی جمہوریت کے بنیادی اصولوں سے منحرف ہو جائیں۔

چھٹے:- ہمیں اس پر بھی غور کرنا ہوگا کہ اجتماعی اور عوامی طور پر وہ کون سے ایسے اقدامات ہو سکتے ہیں جو ہمارے لئے مفید ہوں اور جو ملک میں فرقہ وارانہ عناصر کو بہانہ دیں اور جن سے ملک کی ترقی میں رکاوٹ نہ ہونے پائے۔ اس سلسلے میں ستیہ گرہ کے طریقے پر بھی ٹھنڈے دل سے غور کیا جا سکتا ہے یا احتجاج کے دوسرے اخلاقی حربے کام میں لائے جا سکتے ہیں۔

ساتویں:- ہمیں اردو رسم الخط کو آسان، عام فہم اور عوامی بنانے کے لئے فوری اقدامات کرنے ہوں گے۔ ملک میں خواندگی کی رفتار بڑھ رہی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ان پڑھ لوگوں کو اور بچوں کو جلد سے جلد اردو پڑھانے میں دشواریاں ہیں ان کو دور کرنا اور رسم الخط میں ضروری اصلاحات کرنا ہمارے لئے ناگزیر ہو گیا ہے۔ اردو رسم الخط چھوڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن جدید ضروریات کے مطابق اصلاحات نہ کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔

آٹھویں:- ہمیں اردو والوں کو کتابیں خریدنے، اردو کے اخبار اور رسالے خریدنے، ذاتی کتب خانے بنانے، کا عادی بنانا چاہئے سماجی زندگی میں تبدیلی ہو رہی ہے۔ اب جو لوگ نسبتاً خوش حال ہیں، ان میں ادبی ذوق بالکل نہیں ہے اور ان کا اپنی تہذیب سے محض ایک جذباتی تعلق ہے۔ جذبے کے اس خزانے سے بجلی پیدا کر کے اسے کام میں لانا ہے۔

نویں:- ہمیں اردو والوں کو ذہنی طور پر منظم کرنا ہے اور ان کو ایک دوسرے پر اور جمہوریت پر اعتماد سکھانا ہے۔ اردو والوں کو ایسے لوگوں سے بچانا ہے جو سستی شہرت یا لیڈری یا ذاتی منفعت کے لئے اردو کی حمایت میں نعرے لگاتے ہیں۔ محض چند بڑے جلسوں میں قراردادیں پاس کرنے سے اردو نہیں بچ سکتی۔ اب ہمارے جلسوں میں عملی اقدامات پر غور و خوض ہونا چاہئے۔ حیدرآباد کی اردو کانفرنس میں اصلاح رسم الخط پر جو زور دیا گیا وہ مستحسن تھا۔ اسی طرح ہمیں اپنی ضروریات پر غور کرنا ہوگا۔

دسویں: جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اردو کو چند مہینوں یا چند سالوں میں اس کا حق مل جائے گا وہ بڑی بھول میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کام لمبا ہے اور بہت وقت چاہتا ہے۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم اس وقت سے عملی جدوجہد شروع نہ کریں۔ ہمیں آج اردو کے ایسے عاشقوں کی ضرورت نہیں جو محض اپنے عشق پر فخر کر کے بیٹھے رہیں اور یہ سمجھیں کہ محبوب خود ان کے قدموں میں آجائے گا۔ لیلائے اردو کے لئے ہمیں زندگی کے کتنے دشت و صحرا سے گزرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے خون جگر سے کئی نسلوں تک اس چمن کی آبیاری کرنی ہوگی۔ اردو ہندوستان میں صرف اسی وقت مٹ سکتی ہے جب ہم مٹ جائیں۔ اور ہم اگر مٹیں گے تو اپنی بے عملی، تنگ نظری اور کج روی سے۔

جب انگلستان پر وقت پڑا تھا تو چرچل نے کہا تھا کہ ہم وقت کا چیلنج قبول کرتے ہیں۔ ہمارے پاس صرف خون، پسینہ اور آنسو ہیں۔ اردو والوں کو ایک عرصے تک جیلے سے بے نیاز ہو کر اپنا خون پسینہ ایک کر کے اردو کی حفاظت میں تن، من، دھن سے لگ جانا ہے۔ اس لئے زندگی کے دوسرے کاموں کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے کاموں میں سعی و مقصد اس مشن کو سامنے رکھنے سے آئیں گے۔ ہر معرکے میں سب سے بڑی کامیابی ہمت نہ ہارنا اور پیہم جدوجہد کئے جانا ہے۔ یہاں فتح و شکست نہیں "مرد غازی کی جگر تابی" دیکھی جاتی ہے۔

خط و کتابت

صرف جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کے پتے پر فرمایئے۔ کسی کا نام نہ لکھئے۔

خطبہ صدارت

کل ہند اردو کانفرنس حیدرآباد

(از پروفیسر محمد مجیب)

ڈاکٹر رام کرشن راؤ صاحب، نرسنگ راؤ صاحب، خواتین اور حضرات!

اس کانفرنس کی صدارت کے لئے نامزد کر کے آپ نے مجھے ایسی عزت بخشی ہے جس کا میں اپنے آپ کو کسی اعتبار سے مستحق نہیں پاتا میری عمر ایک چھوٹے سے ادارے میں تعلیمی اور انتظامی کام کرتے گزر رہی ہے مجھ میں یہ کمزوری ہے کہ ہر معاملے کو ایک علمی یا تعلیمی مسئلہ بنا لیتا ہوں اور اس کے تمام سیاسی۔ سماجی پہلوؤں پر یا تو صحیح طریقے سے غور نہیں کرتا یا اس کے بارے میں ناقابل عمل رائے دیتا ہوں۔ اس کانفرنس کے موقع اور مقاصد کو دیکھتے ہوئے صدارت کے فرائض کسی ایسے شخص کو انجام دینا چاہئے تھا جو حالات سے پوری طرح واقف ہو اور اردو کی بقا اور ترقی کے لئے تدبیریں پیش کر سکے اور ان پر عمل کرنے میں اردو بولنے والوں کی رہنمائی کر سکے۔ میں اس فرض سے جو آپ نے میرے سپرد کیا ہے عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا۔ بہرحال اس عزت افزائی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اپنے جو تاثرات اس وقت آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں انھیں آپ غور کرنے کے قابل خیال فرمائیں گے۔

میں اس بات کو چھپانا نہیں چاہتا کہ مجھے تہذیبی مقاصد میں سیاست کی آمیزش اور تہذیبی معاملوں میں سیاسی طرح کا اختیار کرنا مفید اور نتیجہ خیز نہیں معلوم ہوتا۔ سیاست کی اپنی کوئی قدریں نہیں ہیں۔ وہ اپنی مصلحتوں کے مطابق کبھی خاص دینی اور تہذیبی قدروں کی محافظ اور علم بردار بن جاتی ہے۔ کبھی مذہب اور تہذیب کی نمائشی خدمت کر کے اپنا کام نکالتی ہے۔ کبھی ان پر احسان کر کے انھیں اپنا دست نگر بناتی ہے۔ کبھی انھیں ڈرا دھمکا کر فرماں برداری پر مجبور کرتی ہے۔ تہذیب اخلاق، ادب اپنی قدروں کو محفوظ نہیں رکھ سکتے جب تک کہ وہ اپنے آپ کو خود مختار نہ سمجھیں اور دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ سیاست اور سچی تہذیب کے درمیان ہمیشہ اور زندگی کے ہر میدان میں کشمکش رہی ہے۔ مذہب اور اخلاق کبھی سیاست کو اپنے اصولوں کا پابند نہیں کر سکے ہیں۔ اسے تہذیب نفس کے دو چار سبق سے زیادہ نہیں پڑھا سکے ہیں۔ البتہ سیاست نے تہذیبی معاملوں کو جبر کے ذریعے طے کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً اس نے زبانوں کو رائج کرنا یا مٹانا چاہا ہے۔ مگر جب زبان کے بارے میں انھوں نے طے کر لیا کہ اپنی زبان سمجھ کر اپنے بچوں کو سکھائیں گی وہ سیاست کے اختیار سے باہر ہو گئی ہیں۔ جرمن حکومت نے صدیوں تک چیک اور سلووین زبانوں کو مٹانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئیں۔ ایسی ہی ناکامی روس کو پولستان میں ہوئی ہے۔

اردو کا وطن ہندستان ہی، یہ ہماری زبان ہی

نہرو

نئی دہلی۔ ۱۷ مئی۔ کل ہند اردو کانفرنس حیدرآباد کے نام وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے حسب ذیل پیغام دیا ہے:-

"حیدرآباد میں اردو ادیبوں اور شاعروں کی جو کانفرنس ہونے جا رہی ہے اس کو میں اپنی نیک تمنائیں ارسال کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ ضروری ہے کہ ہم ہندستان کے لوگ اردو کی صحت مند ترقی کی ہر ممکن طریقے سے حوصلہ افزائی کریں۔ اردو ہماری زبان ہے اور ان قومی زبانوں میں سے ایک ہے جنھیں ہمارے دستور میں جگہ دی گئی ہے۔ اس کا وطن ہندستان ہے۔

بدقسمتی سے پچھلے سالوں میں اس کو ہندی کا ایک طرح کا رقیب سمجھا جاتا رہا ہے اور دونوں زبانوں کے درمیان بیشتر جھگڑا ہوتا رہا۔ ہندستان میں ہندی کو یقینی طور پر ایک ایسا مقام حاصل ہے جس کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا لیکن ہمیں اپنی دوسری زبانوں کو بھی ترقی دینا ہے اور ان میں اردو شامل ہے۔

کسی زبان کو ترقی دینے کا طریقہ دوسری زبانوں سے جھگڑنا نہیں ہے بلکہ اس کو وقت کی امنگوں اور خیالات کے اظہار کا ایک مناسب ذریعہ بنانا ہے۔ اردو جتنی ہی اس میں کامیاب ہوگی۔ اتنی ہی وہ نشوونما اور فروغ پائے گی۔ اور ہندستان کی زندگی میں ایک اہم رول ادا کرے گی۔"

اپنے زمانے میں روس میں ادب اور ادیبوں کو سیاسی اور معاشرتی مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا گیا۔ ادیب تنقاؤں میں آگئے اور مخصوص نظریوں کے تجربے میں بند کر دیے گئے۔ مگر ادب کی جان پر دو ہواؤں نے ادھر چلنا چھوڑ دیا۔ اب اس ملک میں کہا جا رہا ہے کہ ادب کو چاہئے کہ اپنا منصب ادا کرے۔ نظریات کے پھیر میں نہ پڑے۔ اور کیا عجب ہے کہ ادیب کو اس کی آزادی مل جائے وہ اپنے دل کی بات کہے اور کھیتی باڑی اور کارخانوں کی تنظیم اور پیداوار کے مسائل سے ان لوگوں کو نمٹنے دے جو اس کے اہل ہیں۔ ہندوستان کو دیکھئے تو یہاں صدیوں تک فارسی سرکاری زبان تھی مگر وہ بول چال کی زبان نہ بن سکی اور مقامی اور علاقائی زبانیں برابر ابھرتی رہیں۔ انگریزی سرکاری زبان بنی اور بہت پھیلی۔ مدرسوں میں پڑھائی گئی۔ روزی کمانے کے لئے لازمی مانی گئی اور اس کے باوجود تمام مقامی اور علاقائی زبانوں نے نمایاں ترقی کی۔ اردو کا رواج خاص اس زمانے میں ہوا جب سیاست سے زبان کو ترقی دینے میں مدد نہیں لی جا سکتی تھی۔ اور میرے نزدیک یہ اس دعوٰی کا قطعی ثبوت ہے کہ اردو سیاسی امداد کے بغیر قائم رہے گی اور ترقی کر سکے گی۔

میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے اکثر اس رائے سے اتفاق نہیں کریں گے۔ اردو سیاست کا ایک مہرہ رہ چکی ہے۔ اس نے مردم شماری پر تکیہ کیا ہے۔ سیاسی غرض سے اس کی حمایت ایسے لوگ کر چکے ہیں جو اسے بولنے اور لکھنے کی استعداد نہیں رکھتے تھے۔ اس کی مخالفت بھی سیاسی اغراض کی بنا پر کی گئی۔ یہ ثابت کیا گیا کہ وہ کوئی الگ زبان نہیں ہے اور اگر ہے تو اسے بولنے والوں کی تعداد بہت کم ہے لیکن اکثر وہی لوگ جو اس کے وجود سے انکار کرتے تھے یا اس کی حیثیت اور حق کے بارے میں جو مطالبے کئے جا رہے تھے انھیں غلط اور ناقابل قبول ٹھہراتے تھے خود بہت فصیح اردو بولتے تھے۔ ہندوستان کی تقسیم ایک خاص سیاسی نظریے کی تکمیل تھی اور اس سے اردو کو بظاہر بہت نقصان پہنچا ہے اردو ادب کل ہند زبان ہونے کا دعوٰی کسی سیاسی پلیٹ فارم پر نہیں کر سکتی خاص اس ریاست میں جہاں اس کے سیاسی حامیوں کا زور تھا وہ علاقائی زبان بھی نہیں مانی جاتی اور وہاں اس کی تعلیم کا سلسلہ بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور رسم خط کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں رہی ہے اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یوپی بہار اور دلی کے مسلمانوں کی بھی زبان ہندی ہو گئی ہے اور دوسری ریاستوں میں علاقائی زبان اردو بولنے والوں کی زبان ہو جائے گی۔

لیکن حالات اگر کبھی یہ ظاہر کریں کہ اردو کا مسئلہ سیاسی مسئلہ ہے تب بھی ہمیں اسے ماننے سے تامل کرنا چاہئے جن لوگوں نے اردو مشترک تہذیب اور اس کی اخلاقی روایات کو داؤں پر لگا دیا تھا وہ اپنا کھیل کھیل چکے۔ اب اگر ایک طرف آزاد ہندوستان کی مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے زبان کے بارے میں کوئی پالیسی اختیار کی ہے تو دوسری طرف ہندوستان کی تقسیم کے اثرات رفتہ رفتہ زائل ہو رہے ہیں۔ زبانوں کا مسئلہ ایک بالکل ہی اور شکل میں سیاسی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اب شاید اردو ہی ایک زبان ہے جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ملکی اور ریاستی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ قومی سرکاری زبان کا معاملہ جتنا صاف پہلے معلوم ہوتا تھا اب اتنا نہیں ہے۔ علاقائی زبانیں اب اپنا پورا حق مانگ رہی ہیں۔ اور دور اندیش لوگوں کو یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ وہ ہندوستان کو ایک ایسے طریقے پر تقسیم کر دیں گی جس کا دستور میں ذکر نہیں ہے۔ زبان تہذیب کی خودمختاری کی علامت ہے۔ علاقائی زبانیں اس خودمختاری کا دعوٰی کر رہی ہیں۔ اردو جس تہذیب کی علامت تھی۔ جب تہذیب کا نتیجہ تھی اسے فطری طور پر چھوڑ دیا گیا ہو تب بھی یہ واضح نہیں ہے کہ کسی سرکاری زبان کسی تہذیب کا مظہر ہے۔ اسے اختیار کیا جائے تو زندگی کا رنگ روپ کیا ہوگا۔ اس کے آداب کیا ہوں گے۔ اردو اپنی بقا کے لئے قوت کہاں سے حاصل کرے گی۔ قدیم ہندوستانی تہذیب کا نقشہ دھندلا پڑتا جا

غزل

شہر میں چاک گریباں ہوئے ناپید اب کے
کوئی کرتا ہی نہیں ضبط کی تاکید اب کے

لطف کر اے نگہِ یار کہ غم والوں نے
حسرتِ دل کی اٹھائی نہیں تمہید اب کے

چاند دیکھا تری آنکھوں میں نہ ہونٹوں پہ شفق
ملتی جلتی ہے شبِ غم سے تری دید اب کے

دل دکھا ہے نہ وہ پہلا سا نہ جاں تڑپی ہے
ہم ہی غافل تھے کہ آئی ہی نہیں عید اب کے

پھر سے بجھ جائیں گی شمعیں جو ہوا تیز چلی
لا کے رکھو سرِ محفل کوئی خورشید اب کے

فیض احمد فیض

رہا ہے۔ اب عام میلان یورپ کی تقلید کا ہے یا کمیونسٹ ملکوں کی تقلید کا۔ ہندی کس طرح اور کہاں تک اس نئی تہذیب کی زبان بن سکے گی اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تعلیم نے ابھی تک اپنے آپ کو کسی خاص تہذیب سے وابستہ نہیں کیا ہے اور اگر نصاب کی کتابیں ہندی یا علاقائی زبانوں میں تیار کر لی گئیں تب بھی تعلیم کا تہذیبی منصب واضح نہ ہو جائے گا۔ مجھے اور زبانوں اور علاقوں کا علم نہیں۔ یوپی کے بنیادی مدرسوں میں ہندی ریڈروں کے ذریعے جو ذہنیت پیدا کی جا رہی ہے وہ یا تو ثانوی مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں بالکل بدل جائے یا پھر وہ ان تمام تصورات اور علمی قاعدوں سے ٹکرائے گی جو اس وقت ترقی کے لئے لازمی ہیں۔ بہرحال مجھے اس وقت اردو کے سوا کوئی زبان نظر نہیں آتی ہے جو کسی مخصوص تہذیب کی حامل ہو اور اسی کے ساتھ ریاستی حد بندیوں سے آزاد ہو اور آزاد رہنے کی خواہش اور قدرت بھی رکھتی ہو۔

اردو کو یہ آزادی، یہ طاقت، یہ مرتبہ اس وجہ سے نصیب ہوا کہ وہ خاص قدروں کی حامل ہے۔ یہ قدریں تہذیبی ہیں اور مذہبی ہیں۔ اردو بول چال کی زبان ہے۔ اسکے جوہر شناس برابر اس کوشش میں لگے رہے ہیں کہ اس کی ادبی شکل اس کی اس شکل کا عکس ہو جو بول چال کے اندر برتنے میں آتی ہو۔ اس سے ایک طرف بول چال کی زبان میں نفاست پیدا ہوتی رہی اور دوسری طرف ادبی زبان تصنع اور ان باتوں سے پاک ہوتی رہی جن سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی اگر زبان ادیبوں کی قابلیت کا تختۂ مشق بن جائے۔ دوسری تہذیبی قدر جو اردو نے حاصل کی ہے وہ انسانیت کا تصور ہے۔ اس نے ایک خوددار، خودمختار حساس اپنے دل پر بھروسہ کرنے والے، تعصب کی پابندیوں، سماج کے خلاف عقل قاصر، اور زندگی کے حادثات سے بالاتر انسان کو معیار مانا ہے اسی معیاری انسان کو جمالیاتی ذوق کا مجسمہ بنایا ہے اور اس کے ذریعہ سے ثابت کیا ہے کہ حسن، درد، قرار اور بے قراری سب انسان کی خودی کی تکمیل کرتی ہیں۔ انسان کو خدا تک پہنچاتی ہیں۔ اس طرح جذبات کو ایک دین کا مرتبہ دیا گیا، عشق کو پیغمبر اور معلم کا اور زندگی کا نقشہ واردات قلبی کی روشنائی سے کھینچا گیا۔ انسانیت اور زندگی کا یہ تصور اردو کے ساتھ نمودار نہیں ہوا۔ اس کا ایک سرچشمہ تصوف تھا دوسرا جنس کا وہ جذبہ جو انسان کی سرشت میں ہے۔ تیسرا سرچشمہ مختلف ملکوں کو سمجھنے اور ملک کا حق ادا کرنے کی وہ صلاحیت تھی جو تہذیب کو ایک مستقل قدر ماننے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یعنی اردو ادب نے ایک تاریخی سلسلے کی تکمیل کی اور اس تکمیل کی بدولت اردو ہندوستان کی مشترک تہذیب کی زبان بنی اور اس کی ترجمانی کر سکی۔

اس مشترک تہذیب میں مذہب کا ایک خاص مقام ایک خاص مرتبہ تھا۔ اردو میں ان تمام لوگوں کا مذہبی لٹریچر ہے گا جنھوں نے مشترک تہذیب کو قبول کیا۔ اردو مذہبی مناظروں کی زبان رہ چکی ہے مگر اردو ادب کی روح تعصب اور تنگ نظری کے خلاف تھی۔ غیر مذہبی ریاست کے قیام سے بہت پہلے اردو ادب نے ایک شخصی یا انفرادی مذہب کی طرح ڈال دی تھی جس کا معیار خلوص، صداقت، انسانی ہمدردی، جمالیاتی قدروں کا احساس تھا۔

اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ وہ قدریں جن کی اردو زبان حامل ہے کس طریقے سے تحریکوں کے ذریعے قائم رکھی جا سکتی ہیں اور مقبول بنائی جا سکتی ہیں یا نہیں۔ سیاست اور خاص طور سے جمہوری سیاست اعلیٰ اور ادنیٰ کو ایک سطح پر لے آتی ہے۔ سب کی قیمت مقرر کر دیتی ہے اور پھر مصلحت کے مطابق کسی چیز کے دام گھٹائے، کسی کے بڑھائے جاتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ ہمارے اصرار اور سیاسی مخالفوں کے انکار، ہمارے مطالبوں کی مقبولیت اور حکومتوں کی بے توجہی اردو سے ہماری محبت اور ملازمت اور کاروبار ایسے دوسری زبانوں کو سیکھنے کی ضرورت کا اثر ہم پر اور اردو کے مستقبل پر کیا پڑا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم بدیسی زبانوں سے چشم پوشی نہ کریں۔ حقیقت کو دیکھنے اور سمجھنے کی ہمت پیدا کریں اور پھر اردو کی بقا اور ترقی کے لئے مناسب تدبیریں کریں۔

حق بات تو یہ ہے کہ اردو کے بولنے والے جس ریاست میں کافی تعداد میں ہوں وہاں اردو کو علاقائی زبان مانا جائے۔ مگر اس وقت کی سیاسی کیفیت ایسی ہے کہ اردو کو قانوناً علاقائی زبان تسلیم کرانے کی کوشش سے فائدے کے مقابلے میں نقصان پہنچنے کا امکان زیادہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سیاسی کیفیت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہے گی ہمیں چاہئے کہ اس وقت کا انتظار کریں اور اس دوران میں نصابی اور غیر نصابی تعلیم کے میدانوں میں اردو کی پوزیشن کو مضبوط کرتے رہیں۔

مدرسوں اور کالجوں میں اردو کی تعلیم کا مطالبہ کرنا صحیح ہے مگر اردو کسی ریاست کی واحد سرکاری زبان نہ ہو گی۔ اگر اسے علاقائی زبان کا قانونی مرتبہ دیا گیا تب بھی سرکاری اور عدالتی کام کسی دوسری زبان میں ہوں گے۔ اردو بولنے والوں کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ اپنی ریاست کی دفتری زبان بھی سیکھیں اور غالباً وہ اس کی طرف پوری توجہ نہ کر سکیں گے اگر ان کی ساری تعلیم یا ابتدائی تعلیم اردو ہی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم میں اردو کو مادری زبان کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ مگر ابتدائی منزل کے بعد اردو چھوڑ دی گئی تو ہمیں یہ تسلی تو ہو سکتی ہے کہ ہم نے ایک صحیح تعلیمی اصول پر عمل کیا، لیکن جو اس طرح اردو سیکھ کر چھوڑ دیں گے ان کا سیکھنا نہ سیکھنا برابر ہوگا۔ ہمیں دراصل تعلیم کی ثانوی منزل پر زیادہ

سے زیادہ توجہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس عمر کی تعلیم ذہن میں زیادہ محفوظ رہتی ہے اور اس کا معیار بھی ایسا ہوتا ہے کہ ادبی ذوق پیدا ہو سکے۔ اگر ابتدائی اور ثانوی دونوں منزلوں میں اردو پڑھائی جا سکے تو بہت اچھا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اردو بولنے والے ماں باپ کے ہر بچے کو ثانوی منزل میں اردو ضرور پڑھنا چاہئے۔

میں نے سنا ہے کہ یوپی میں ماں باپ کہتے ہیں کہ بچوں کو اردو پڑھانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ اس سے روٹی نہیں ملے گی۔ دوسری طرف حکومت پر دباؤ بھی ڈالا جا رہا ہے کہ وہ ابتدائی اور ثانوی مدرسوں میں اردو کی تعلیم کا معقول انتظام کرے۔ یہ خیال صحیح ہے کہ اس وقت یوپی میں اردو کے ذریعے دال روٹی ملنا مشکل ہے اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے اور اسے علاقائی زبان ماننے کا مطالبہ بھی بجا ہے اردو کی بقا اور ترقی کا راز انہیں دونوں باتوں کے تضاد کو دور کرنے میں ہے۔ انسان کی نظر صرف اس روٹی پر ہو جس سے پیٹ بھرتا ہے تو وہ اسے بھی بڑی مشکل سے حاصل کر پاتا ہے۔ اگر وہ صرف جذبات اور روح کی غذا فراہم کرنا چاہے تو زندگی ہاتھ سے جاتی ہے۔ دونوں طرح کی غذا اس وقت حاصل ہو سکے گی اور اسے پورا فائدہ اس صورت میں پہنچے گا جب کہ تعلیم کو اخلاقی اصول اور قدروں کا پابند کیا جائے۔ اخلاقی اصول پر عمل کرنا، اخلاقی قدروں کی خدمت کرنا مقدم سمجھا جائے۔ اور دوسرے پیچھے ملحق ہوں۔ آدمی انسان بننے کی خواہش کرے تو اسے سب کچھ مل جاتا ہے۔ وہ اس خواہش کو مشروط دال روٹی ملنے پر منحصر کر دے تو اس کی طبیعت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے تمام منصوبے خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔

اردو جس لسانی جمالیاتی، تہذیبی اور اخلاقی قدروں کی حامل ہے ان کی طرف میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں یہ قدریں ہماری نظر میں رہیں گی تو ہم میں استقلال پیدا ہوگا۔ ہم کو یقین ہوگا کہ اردو زبان رہے گی۔ ہم اس کے بولنے والے رہیں گے۔ ہماری اس تقدیر کو سیاست کی کوئی تدبیر پلٹ نہ سکے گی۔ ہماری ہر آزمائش ہماری قیمت کو دوبالا کر دے گی۔ ہم کو مدرسوں کی ضرورت ہوگی تو ہم مدرسے قائم کریں گے۔ مدرسوں کی تعلیم کو غیر نصابی تعلیم کے ذریعے مکمل اور زیادہ سے زیادہ موثر بنائیں گے ہماری گھریلو اور سماجی زندگی ہمارے تہذیبی معیار کی مثال ہوگی۔

اور ہماری زبان اس معیار کی ترجمان ہوگی۔ ہم میں سے کوئی نہ ہوگا جو اپنی بساط کے مطابق کتابیں نہ خریدے۔ بلکہ ہم کوشش کریں گے کہ اردو بولنے والوں کی جماعت کو اس کا اختیار دے دیا جائے کہ وہ افراد سے کتابیں خریدنے کے لئے کسی شکل میں ٹیکس وصول کر سکے۔ ہمارے ہر گھر میں کتب خانہ ہوگا اور ہم سمجھیں گے کہ یہی کتب خانہ گھر کی آبرو ہے ہمارے ادیبوں اور مصنفوں کو اس کا بھروسہ ہوگا کہ قدر شناسوں کی ایک جماعت ان کی پشت پر ہے اس سے ان کی ہمت افزائی ہوگی۔ انہیں ان کی محنت اور قابلیت کا حقیقی صلہ ملے گا اور ان کی رہنمائی بھی ہوتی رہے گی۔ آج کل بالغوں کی تعلیم کے سلسلے میں بستیوں میں اور شہروں میں کتب خانے قائم ہو رہے ہیں۔ بیشتر اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی کتابیں ان کتب خانوں کے لئے خریدی جائیں۔ اگر دوسری طرف سے پڑھنے والے بھی اردو کی کتابوں کا مطالبہ کریں تو ہر بستی میں علاقائی زبان کے ساتھ اردو کا ایک کتب خانہ قائم ہو جائے گا۔

ہم میں استقلال پیدا ہو جائے تو ہمارے دلوں سے یہ خوف بھی نکل جائے گا کہ سیاسی تعصب اور تنگ نظری اردو کا گلا گھونٹ سکتی ہے۔ ہم میں وہ خودداری آ جائے گی جو انسانیت کے اس تصور کی بنیاد ہے، جسے اردو ادب نے پیش کیا ہے۔ خودداری ہمیں اس پر آمادہ کرے گی کہ جہاں تک ممکن ہو اپنا بوجھ خود اٹھائیں۔ اسے دوسروں پر نہ ڈالیں۔ اپنے مطالبوں کو خود سختی سے جانچیں۔ دوسروں کو ان میں کمی بیشی کرنے کا موقع نہ دیں۔ اس خودداری کا دوسرا پہلو یہ ہوگا کہ ہم اپنے ادبی اور جمالیاتی معیار کو قائم رکھیں گے۔ چاہے دوسرے صحیح معیار کے بغیر اپنا کام چلائیں اپنے ذوق کو شائستہ سے شائستہ تر بنانے کی کوشش کرتے رہیں گے اور اپنی زبان اور ادب کے ذریعے شائستگی کا اونچے سے اونچا معیار قائم کریں گے۔ اس وقت بھی جو معیار ہماری نظر میں ہے دوسروں کی نظر میں نہیں۔ حال میں ایک ڈرامہ سیمینار دہلی میں ہوا تھا اس کے لئے ہر زبان کے نمائندوں نے مضمون لکھے تھے۔ آپ انہیں دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں صرف اردو کے نمائندوں نے پوری حقیقت بیان کی ہے اور خودستائی کی رو میں بہہ کر اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکے میں نہیں ڈالا ہے۔ میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ اخلاقی اور ادبی قدروں کی خدمت وہی کر سکتا ہے جو گمنام رہنے کی ہمت رکھتا ہو اور اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ اس وقت جو کچھ اردو پر گزر رہا ہے اس سے اگر ایک طرف اردو کچھ گمنام سی ہو جائے گی تو دوسری طرف اس میں سچائی کا وہ حسن پیدا ہو سکتا ہے جو حقیقی تہذیب کا نور پھیلاتا ہو۔

سچائی کی علامت اس طرح نہیں پڑتی ہے کہ آدمی اپنی ہی بات کہتا اور سنتا رہے۔ اپنی ہی صورت آئینہ میں دیکھتا رہے۔ دیکھنے کے قابل چیزیں ہر طرف ہیں ضرورت قدر شناس نظر کی ہے۔ اردو والوں کو چاہئے کہ ہندوستان کی زبانوں کے مسئلہ میں وہ اسی رواداری سے کام لیں۔ جو انہوں نے دین اور تہذیب کے معاملوں میں برتی ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہمیں ایک قدم اور آگے بڑھ کر دوسری زبانوں کو ان کا حق دلوانے میں مدد کرنا اور ان کی ترقی سے دلچسپی لینا چاہئے۔ ہمیں صرف اپنے حق سے مطلب ہوا تو ہم اپنی تقدیر دوسروں

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اردو کے ساتھ ملک میں مناسب برتاؤ نہیں کیا جارہا ہے

پنڈت نہرو

بمبئی ۳ ؍ جون

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دو روزہ سیشن میں پنڈت جواہر لال نہرو نے لسانی اقلیت کے مسائل پر تقریر کی۔ اس سیشن میں لسانی اقلیتوں کے تحفظات کے مسئلہ پر مسٹر جگجیون رام نے ریزولیوشن پیش کیا جس کی تائید مسٹر گوبند مینن نے کی۔

مولانا نورالدین بہاری نے اس ریزولیوشن پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آزادی کے بعد اکثریت کی جو پوزیشن ہوئی اور جس قسم کی ایک فرد کی حیثیت سے کہنا چاہتا ہوں کہ گذشتہ میں مغربی پنجاب میں جو کچھ ہوا وہ قابل مذمت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں جو کچھ ہوا، اس کو دیکھ کر ہر ہندوستانی کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ میں ایک ہندوستانی ہوں۔ میں ایک مسلمان ہندوستانی ہوں۔ صرف نظریات سے کام نہیں چلتا عمل کی ضرورت ہے۔ یہ اکثریت کا کام ہے کہ وہ ہماری زبان کی حفاظت کرے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ خود دیکھئے کیا ہو رہا ہے۔ ہم نے جس زبان کے ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں جس کو بچپن سے لیکر اب تک پڑھا اور بولا ہے اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا جا رہا ہے، اس کو بھلایا جا رہا ہے۔

پنڈت نہرو نے اس ریزولیوشن پر انگریزی زبان میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ چند برسوں میں کچھ عجیب سی بات ہوئی ہے۔ بمبئی اور دوسری جگہوں پر لسانی ہنگامے ہوئے لیکن ان ہنگاموں کی بنیاد زبان نہیں بلکہ کچھ دوسری باتیں ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ زبان اہم چیز نہیں ہے۔ دستور ہند میں چودہ زبانیں تسلیم کی گئی ہیں۔ یہ چودہ کی چودہ ہندوستان کی قومی زبانیں ہیں۔ ہندی زبان ملک کی قومی زبان نہیں ہے۔ بلکہ یہ کل سرکاری زبان ہے ہمارے ملک کی چودہ قومی زبانیں ہیں۔ مثال کے طور پر اگر دہلی میں تامل زبان بولنے والے کافی لڑکے ہوں تو ان کے لئے تامل زبان کی تعلیم کا انتظام حکومت دہلی کو کرنا چاہئے۔ خواہ اس کی قومی زبان کوئی بھی ہو۔ پرائمری تعلیم مادری زبان میں ہونا چاہئے۔ یہ تو تعلیمی مسئلہ رہ گیا حکومت کا مسئلہ وہ اپنا ریکارڈ متعدد زبانوں میں نہیں رکھ سکتی۔ اسکے لئے اسے ایک زبان اپنانا ہوگی۔ لیکن سرکاری محکموں کو جو درخواستیں، عرضیاں اور خطوط ملک کی چودہ قومی زبان میں سے کسی زبان میں وصول ہوں ان کا جواب

(بقیہ پہلے کالم پر)

کے ہاتھ میں دے دیں گے اور ہم زیادہ سے زیادہ اس کی امید کریں گے کہ ہمارا حصہ ناپ تول کر ہمیں دے دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر اردو بولنے والے علاقائی اور قومی زبان کی تعلیم کو حسب موقع پھیلانے میں مدد دیں۔ خودداری اور ہمدردی کی مثال قائم کریں تو یہ ناممکن ہوگا کہ انھیں ان کا حق نہ ملے۔ دوسرے ان کے ساتھ رواداری نہ برتیں اردو کی تعلیم کا انتظام نہ ہو دوسری زبانیں اور ادب اردو سے متاثر نہ ہوں۔ تعلیم کے ماہر کہتے ہیں کہ حرفے کے ذریعے تعلیم دینے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ حرفوں کو پیشے کے طور پر برتنے کی تلقین کی جائے حرفے کے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے صحیح طریقے پر سوچنے، کرنے اور کئے ہوئے کو جانچنے کی عادت ڈالی جا سکتی ہے اور یہ عادت ڈال دی جائے تو علم اور زندگی کے ہر میدان میں کام آتی ہے۔ میرے نزدیک اردو زبان کو سیکھنے اور بولنے اور اس کی بقا اور ترقی کے لئے کوشش کرنے کا مقصد ادیب پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ ان لسانی تہذیبی اور اخلاقی قدروں کے ماننے اور ان کی خدمت کرنے والے پیدا کرنا ہے جس کی حامل ہماری اردو زبان ہے۔ انھیں قدروں کی بناپر اردو کا حق ہے کہ وہ مکمل ہندی زبان کہلائے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اردو بولنے والے ان قدروں کو مضبوطی سے پکڑیں اور انھیں اپنا سہارا بنائیں تو وہ ہندوستان کو متحد رکھنے کی بہت بڑی سیاسی خدمت بھی انجام دے سکیں گے۔

میں بہت مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا موقع دیا ہے۔ کانفرنس کا پروگرام بہت وسیع ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے مشورے بار آور ہوں گے اور یہ کانفرنس اردو بولنے والوں کی رہنمائی کے لئے ایک نئی پالیسی کی بنا رکھ سکے گی۔

---

* اسی زبان میں دیا جائے جس زبان میں وہ موصول ہوئی ہیں ان درخواستوں اور عرضیوں کو قبول کرنے میں کسی قسم کا کوئی تامل اور رکاوٹ نہ ہونا چاہئے۔ ان کا اصل مقصد اپنی بات سے عوام کو واقف کرانا ہوتا ہے۔ اگرچہ مقصد پورا نہ ہو تو ان کا اصرار کرنا بھی بیکار ہے۔ ایک زبان کے ذریعے دوسری زبان کو کچلنے کی کوشش ہرگز نہ کی جانا چاہئے۔ اگر ان اصولوں پر عمل کیا جائے تو کوئی لسانی جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ مولانا نورالدین صاحب بہاری نے اردو زبان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے میں اس سے بہت کچھ اتفاق کرتا ہوں۔ میرے خیال میں اردو کے ساتھ مناسب برتاؤ نہیں ہوتا ہے خصوصاً اترپردیش اور دہلی میں جو اردو زبان بولنے والے علاقے ہیں۔ اور ان کی آبادی کا ایک کافی حصہ اردو زبان بولتا ہے۔

"ہندستان میں اردو کا شاندار مستقبل ہے"

سجاد ظہیر

حیدرآباد، ۱۳ جون۔ اردو کے مشہور ادیب جناب سجاد ظہیر نے حالیہ حیدرآباد اردو کانفرنس کے متعلق ایک مضمون میں اظہار رائے کرتے ہوئے کہا ہے کہ "چونکہ میں اپنے وطن میں جمہوریت اور سوشلزم کی فتح پر یقین رکھتا ہوں اس لئے مجھے اردو کے شاندار مستقبل پر یقین ہے"

آگے چل کر انھوں نے کہا کہ "اب جبکہ ہمارا وطن بیرونی تسلط سے اور ریاست حیدرآباد، جاگیردارانہ مطلق العنانی سے آزاد ہے اور اردو زبان کا مسئلہ بالکل نئی طرح سے ہمارے سامنے پیش ہے۔ ۱۹ مئی سے ۲۱ مئی تک منعقد ہونے والی کل ہند اردو کانفرنس سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

اردو کا مستقبل

گزشتہ نو دس مہینوں میں میں نے ہندوستان میں اردو زبان کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ کل ہند اردو کانفرنس میں حصہ لینے والے بہت سے اردو کے ادیبوں اور اردو کے علماء اور طرفدار اردو کے طالبوں اور اس بات کا مجھے شدید احساس ہے کہ ان میں سے بیشتر کی نیک نیتی اور مخلصانہ دوستی اور اردو نوازی کے باوجود اور اس کے باوجود کہ اردو کے تحفظ اور ترقی کے متعلق ان کے جو خیالات اور مطالبات ہیں وہ اپنی جگہ پر صحیح اور منصفانہ ہیں۔ وہ اردو کے مسئلہ کو نئے آزاد جمہوری ہندستان اور مستقبل کے سوشلسٹ اشتراکی ہندوستان کے پس منظر میں اور ہماری قوم کے وسیع تر تہذیبی اور تمدنی مسئلہ کے ایک جزو اور اس کے ایک حصہ کی طرح دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے یہی سبب ہے کہ جب وہ اردو کو جمہوری ہندوستان میں اس کے جائز حقوق دلوانے کی جدوجہد کرتے ہیں تب بھی ان کے دلوں میں مایوسی جاگزیں رہتی ہے اور اگر وہ اپنی پبلک تقریروں میں نہیں اور کانفرنسوں کی قراردادوں میں نہیں تو نجی گفتگو اور محفلوں میں اردو کے مستقبل کے متعلق بالکل اسی طرح مایوسی کا اظہار کرتے ہیں جس طرح سے جاگیردار اور زمیندار جو جاگیرداریوں اور زمینداریوں کے خاتمے کے قانون کی زد میں آنے کے بعد یہ سمجھنے لگے ہیں کہ "ہم ڈوبے تو جگ ڈوبا"۔ اور انھیں سارا جہاں تاریک نظر آتا ہے غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ اردو کے بہت سے طرفدار ہمارے وطن کی آزادی کی اور جمہوری تحریکوں سے بے تعلق تھے اور اردو کی ترقی کے سلسلے میں مسئلہ کو قومی تہذیب کی تعمیر کے مسئلہ سے علاحدہ کرکے دیکھتے تھے۔

مجھے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے بڑی خوشی ہوتی ہے کہ گزشتہ ہفتہ جو اردو کانفرنس حیدرآباد میں منعقد ہوئی اس میں شریک ہونے والوں اور اس کی کارروائیوں میں حصہ لینے والوں کا غالب رجحان یہ نہیں تھا جس کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے اس وقت سب سے بڑا اور اہم ترین مسئلہ اردو والوں کے سامنے یہ ہے کہ اردو کی تعلیم کا اسکولوں اور کالجوں میں خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ اس کے متعلق کانفرنس نے قراردادیں منظور کیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ کل ہند کانفرنس میں ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت بھی آندھرا اور صوبہ بمبئی میں اردو والوں کو اردو تعلیم کے سلسلہ میں حکومت سے کوئی شکایت نہیں ہے اور یہ کہ ریاست حیدرآباد میں تعلیمی صورت حال، اترپردیش اور بہار سے بہتر ہے۔ نیز ریاست حیدرآباد کے وزیر اعلیٰ نے جنھوں نے ہماری کانفرنس کا افتتاح کیا اور جو بعد کو اردو ادیبوں کو دئے جانے والے ایک استقبالیہ جلسے میں شریک ہوئے اپنی دو تقریروں میں صاف الفاظ میں اردو تعلیم کے متعلق ریاستی حکومت کی جس پالیسی کا اظہار کیا اس پر اگر عمل کیا جائے تو اس ضمن میں اردو والوں کی تقریباً تمام شکایتیں رفع ہو جائیں گی۔

کانفرنس نے اردو کی ترقی کی راہ میں جو داخلی رکاوٹیں حائل ہیں ان پر بھی غور کیا۔ اس ضمن میں اردو رسم خط کی اصلاح کے مسئلے پر بھی بحث ہوئی۔ کانفرنس کے بعض مخالفوں نے کچھ عرصے سے یہ غلط خبر پھیلادی تھی کہ کانفرنس اردو کے موجودہ رسم خط کو ترک کرکے ناگری رسم خط اپنانے کے سوال پر بھی غور کرے گی لیکن کانفرنس میں کوئی بھی ناگری رسم خط کو اپنانے کے سوال پر بات بھی کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ساری بحث، موجودہ رسم خط کو سہل بنانے اور چھپائی کے لئے ٹائپ ایجاد کرنے پر مرکوز رہی لیکن اس سلسلے میں کوئی قرارداد منظور نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ماہرین کی کمیٹی ہی انجام دے سکتی، اور مرکزی انجمن ترقی اردو کو اس سلسلے میں اقدام کرنا چاہئے۔

ہندی کے حامی اردو میں اخبار شائع کرتے ہیں

پنڈت پنت

چندی گڑھ۔ ۱۰ جون۔ پنڈت گووند بلبھ پنت نے چندی گڑھ میں ایک پریس کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے اردو کے بارے میں حسب ذیل بات کہی۔

"زبان کی بحث غیر حقیقی ہے کیونکہ ہندی کی وکالت کرنے والے اکثر لوگ اپنے اخبارات اردو میں شائع کرتے ہیں۔"

انجمن کی خبریں

ریاستی انجمن ترقی اردو کے وفد کی وزیر اعلیٰ بہار سے ملاقات

پٹنہ ۲۷؍ مئی۔ آج ۵ بجے شام کو بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک وفد زیر قیادت جناب سید جعفر امام صاحب ایم۔ ایل۔ سی۔ جناب ڈاکٹر شری کرشن سنہا وزیر اعلیٰ بہار، جناب آچاریہ بدری ناتھ ورما وزیر تعلیم بہار سے وزیر اعلیٰ بہار کی قیام گاہ پر ملا۔ جناب عبدالقیوم انصاری وزیر تعمیرات بہار و جناب ابوالاحد محمد نور ڈپٹی منسٹر حکومت بہار بھی موجود تھے۔ یہ وفد قائد وفد کے علاوہ حسب ذیل حضرات پر مشتمل تھا۔

جناب شاہ مشتاق احمد ایم۔ ایل۔ اے۔ جناب حافظ منظور حسن صاحب سابق ایم۔ ایل۔ اے و جناب محمد لیسین صاحب ایم۔ ایل۔ اے ہزاری باغ جناب بیتاب صدیقی جنرل سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو۔

ریاست بہار میں اردو کے متعلق جتنے مسائل ہیں اور اس کی ترویج و اشاعت کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں سارے مسائل زیر بحث آئے اور تمام شکایات وزیر اعلیٰ بہار کے گوش گزار کی گئیں چنانچہ زیر بحث مسائل میں اردو ٹریننگ اسکولوں کا بند ہونا۔ انسپکٹنگ مولویوں کے عہدے کا خاتمہ۔ اردو لائبریری کو اردو کتاب کے بدلے ہندی کتابیں خریدنے پر مجبور کرنا، اردو بیسک اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا سامان نہ ہونا۔ بہار یونیورسٹی سے ملحق بہت سے کالجوں میں اردو کی تعلیم نہ ہونا، بعض کالجوں میں اردو آنرس کلاس کا نہ کھلنا، ایم۔ اے اردو تعلیم کے انتظامات کی طرف سے غفلت وغیرہ بہت سے مسائل کے متعلق تفصیلی شکایات پیش کی گئیں۔ ٹیکسٹ بک کمیٹی میں اردو کے متعلق بدعنوانیوں سے بھی آگاہ کیا گیا جس کے جواب میں وزیر اعلیٰ بہار نے اردو کے ساتھ محکمۂ تعلیم کے اس سلوک پر افسوس ظاہر کیا اور وزیر تعلیم بہار سے کہا کہ جلد شکایات فوراً دور کی جائیں۔ اور اس طرح کی شکایتوں کے جو حکام ذمہ دار ہیں ان سے جلد باز پرس کی جائے۔

وزیر تعلیم بہار نے بھی تمام شکایات کے ازالہ کی طرف جلد توجہ دینے کا وعدہ کیا۔ اور شکایات کے جواب میں کہا کہ اردو کے لئے ٹریننگ اسکول جلد ہی قائم کر دیئے جائیں گے۔ ہر ضلع میں اردو جاننے والے انسپکٹر رکھے جائیں گے جو اردو تعلیم کی نگرانی کریں گے۔ اردو مکاتب کا بھی معائنہ کریں گے۔ انسپکٹنگ مولویوں کی ملازمت ختم نہیں کی جائے گی۔ اردو لائبریریوں کو اردو کتابیں دی جائیں گی۔ اس کے لئے ڈپارٹمنٹ کو تاکید کی جا رہی ہے۔ اردو کتابوں کی اشاعت کے متعلق جو شکایات ہیں وہ بھی دور کر دی جائیں گی۔

اس موقع پر جناب وزیر اعلیٰ بہار نے یہ فرمایا کہ اردو کتابیں اگر وقت پر پبلشر نہیں چھاپتے تو اس کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ کوئی ترکیب حکومت کو نکالنی چاہئے کہ اردو کتابیں وقت پر ضرور شائع ہوں۔ اس کے بعد یہی وفد جناب رائے بہادر شیام نندن سہائے ایم۔ پی وائس چانسلر بہار یونیورسٹی سے ملا۔ اور بہار یونیورسٹی میں جو اردو کی راہ میں مشکلات ہیں ان کے گوش گزار کیا۔ جواب میں وائس چانسلر صاحب موصوف نے تفصیل کے ساتھ اب تک اردو کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کا ذکر کیا۔ اور ان تمام شکایتوں کو بھی دور کرنے کا وعدہ کیا نیز فرمایا کہ جب بھی کوئی شکایت ہو اس کی مجھے اطلاع دی جائے میں اسے دور کرنے میں دریغ نہ کروں گا۔ گفتگو کے لئے جناب وائس چانسلر موصوف نے بیتاب صدیقی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔

بہار اردو لائبریری کانفرنس

پٹنہ ۳۱ مئی۔ جناب بیتاب صاحب صدیقی جنرل سکریٹری بہار ریاستی اردو ایسوسی ایشن اور جنرل سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے ریاست بہار کی اردو لائبریریوں کے متعلق ایک بیان دیا ہے۔ اس بیان میں انھوں نے کہا ہے کہ ریاست بہار میں اردو لائبریریوں کے حقوق کی مسلسل پامالیوں کا تقاضا ہے کہ اردو لائبریری کی ابتری و زبوں حالی پر غور کرنے والوں کو ایک تنظیم کے تحت منسلک اور مربوط کر کے انھیں متحد کر دیا جائے۔ اسی غرض سے طے کیا گیا ہے کہ مجوزہ بہار ریاستی اردو کانفرنس کے دوسرے اجلاس کے موقع پر بہار کی اردو لائبریریوں کی ایک شاندار کانفرنس کی جائے اس کانفرنس کی صدارت کے فرائض عبدالقیوم انصاری صاحب وزیر تعمیرات عامہ بہار نے انجام دینا منظور کر لیا ہے۔ ریاست بہار کے تمام اردو لائبریریوں کے ذمہ دار ارکان سے گزارش ہے کہ وہ (بقیہ)

اپنی لائبریریوں کی طرف سے ایک ایک ڈیلی گیٹ کا نام اور پتہ جلد سے جلد روانہ کریں اور اس کانفرنس کو ہر طرح کامیاب بنانے میں ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں۔

اس سلسلے میں جملہ خط و کتابت جنرل سکریٹری بہار ریاستی اردو لائبریری کانفرنس انجمن اسلامیہ ہال مراد پور، پٹنہ ۴ سے کی جائے۔

امروہہ مقامی انجمن ترقی اردو کا سولھواں علمی، ادبی اجتماع محلہ چلہ میں مولوی حکیم سید محمد احمد صاحب عباسی کے مکان پر انعقاد پذیر ہوا گزشتہ ادبی اجتماع کی کارروائی مصدق ہونے کے بعد جناب دل نواز احمد صدیقی نے "اردو کی المیہ شاعری اور اس کی اہمیت" کے عنوان سے ایک گرانقدر مقالہ پڑھا اور سامعین سے موضوع پر تحقیق و تدقیق کی داد حاصل کی، موصوف کے اس مقالہ نے انجمن کے زیر اہتمام تحریری مقابلوں میں پہلا انعام حاصل کیا تھا۔ دل نواز احمد صاحب کے اس کامیاب مقالے کے بعد جناب نفیس احمد صاحب صدیقی نے ایک دلچسپ افسانہ "ریت کی لکیر" سے حاضرین کی ضیافت طبع فرمائی۔ وقار احمد صاحب کیفی نے ایک علمی مضمون پڑھا جس کا عنوان تھا "کچھ مدیر نگار سے" آخر میں ابو المزاح حضرت شہباز بلند پرواز امروہوی نے اپنی ایک تازہ نظم "لیڈر" سے محظوظ فرمایا۔ اور انجمن کا یہ کامیاب اجتماع صحت مند و سنجیدہ تنقید کے ساتھ جس میں مفتی نسیم احمد صاحب فریدی مختار احمد صاحب فاروقی، نفیس احمد صاحب صدیقی۔ دل نواز احمد صاحب صدیقی اور بعض دوسرے حضرات نے نمایاں حصہ لیا رات گئے سامعین اور میزبان محفل کے شکریہ پر ختم ہوا۔ انجمن کی جانب سے عید کیمپ کے رضا کاروں کا بھی شکریہ ادا کیا۔ جنھوں نے عوام تک اردو کا پیغام پہنچایا اور انجمن کے لئے چندہ فراہم کیا۔

سہاور انجمن ترقی اردو شاخ سہاور کے زیر اہتمام ۱۰ مئی ۱۹۵۸ء کو ایک ادبی نشست حکیم حشمت اللہ خاں صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں سہاور کے علم دوست اور باذوق حضرات نے بڑی دلچسپی سے حصہ لیا۔ اس موقع پر نقیب سہاوری نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے حاضرین سے اپیل کی کہ وہ انجمن ترقی اردو کو کامیاب بنائیں۔ ان کی تقریر کے بعد احمد حبیب خاں متعلم درجہ نہم نے بڑی خوش الحانی کے ساتھ ایک نظم پڑھی جس کا عنوان "ترقی اردو" تھا۔ اس کے بعد حسب پروگرام ممتاز علی خاں صاحب بی۔ اے نے اپنا مضمون "ادب اور جنس" اور مولوی حمید الدین خاں صاحب نے "جمہوری نظام حکومت" پڑھا۔ ان سنجیدہ مضامین کے بعد محسن سہاوری اور نقیب سہاوری نے طنزیہ مضامین پڑھے۔ جن کے عنوان علی الترتیب "نیشنل اینڈ سنز (لاہور) کا ایک اہم اعلان" اور "ایک جگر جلے ہوئے مریض کا اپنی اہلیہ کے نام خط" تھے۔ مضامین کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد رہبر، خوشتر، عزیز، اور واصف القادری نے غزلیں سنائیں اور اس کے بعد یہ ادبی نشست نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی۔

احمد علی

سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ سہاور

اردو کی خبریں

اردو پنڈت سندر لال کی نظر میں

حیدرآباد، ۷ مئی۔ پنڈت سندر لال جی نے کل ہند اردو کانفرنس میں مصروفیت کے باعث شرکت نہ کرنے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کانفرنس کے سکریٹری جناب حبیب الرحمٰن صاحب کے نام ایک پیام روانہ کیا ہے۔

پنڈت سندر لال جی نے کانفرنس میں شرکت کرنے والے تمام ادیبوں، شاعروں، تنقید نگاروں اور اہل علم حضرات کو مبارکباد دی ہے۔ انھوں نے اپنے پیام میں کانفرنس کے انعقاد کو ایک قومی کام بتاتے ہوئے کہا کہ اردو اس ملک کی ایک جیتی جاگتی زبان ہے کروڑ ہندوستانی اسے بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اپنے موجودہ ادب اور آئندہ کے امکانوں کے لحاظ سے یہ ہندوستان کی زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ زبانوں میں سے ہے اس ملک کی تمام زبانوں میں اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو صدیوں تک پورے ملک میں ہندوستان کی مشترکہ ملکی زبان رہی ہے۔ اور اب بھی قومی زبان ہونے کے قابل ہے۔

قومی زبان کی بابت گاندھی جی کی رائے کو میں اب بھی درست مانتا ہوں۔ اردو اور ہندی کو میں الگ الگ زبانیں نہیں مانتا جہاں تک اسٹائل کا سوال ہے وہ اسٹائل جسے لوگ اردو کہتے ہیں اب بھی ایک زندہ چیز ہے۔ اور اس کے برعکس وہ اسٹائل جسے آج کل ہمارے کچھ تنگ نظر ہم وطن ہندی کہہ رہے ہیں ان کے پیٹ سے مردہ پیدا ہوا بچہ ہے۔ منشی پریم چند جیسوں کی ہندی ایک الگ چیز ہے۔

زبانوں کا اتہاس اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ زبانیں حکومتوں یا کچھ تنگ نظر لوگوں کے بنائے نہیں بنا کرتیں۔ اور نہ ان کے بگاڑے بگڑتی ہیں۔ قدرت کی دوسری چیزوں کی طرح زبانوں کے بننے بگڑنے کے کچھ اپنے اصول اور قاعدے ہیں۔ اہل ملک کی طبیعتوں، ان کی پسند، ان کے ذوق، ان کے جذبوں اور ان کے رجحانوں کو دیکھ کر لکھ رہا ہوں کہ پچیس برس کے اندر اندر جو زبان اس ملک کی قومی زبان کا روپ لے گی وہ موجودہ ہندی کے مقابلے میں موجودہ اردو کے کہیں زیادہ نزدیک ہوگی اور وہ اردو ہی ہوگی۔

اردو کے ادیبوں سے میں نہایت ادب کے ساتھ دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، مجازی یا عبرانی ہونے سے بچائیں اور اسے بول چال کی زبان کے نزدیک سے نزدیک رکھیں۔ اس طرح کے ہمارے پیارے سلیس شبدوں کو جیسے سندر، مورت، سنتوش، کرن، آکاش، سماج، راج کاج، دھیرج وغیرہ جنھیں ملک کے عوام بولتے اور سمجھتے ہیں، انھیں سوز آنے اردو مانیں اور انھیں اپنے کلام اور رچناؤں کی زینت سمجھیں۔ دوسرے یہ کہ اردو کی زیادہ سے زیادہ اور اچھی سے اچھی چیزیں نئی یا پرانی دیوناگری لکھاوٹ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا نیا اردو ادب زیادہ سے زیادہ وسیع النظر اور ہمہ گیر ہونا چاہئے۔

میں پھر آپ سب بھائیوں کو مبارکباد دیتا ہوں، اور کانفرنس کی کامیابی کے لئے دعاگو ہوں۔ (بھارت نیوز)

پنجاب میں اردو کے لئے آواز

پنجاب سے ہند پارلیمنٹ کے کانگریسی ممبر اور ترکی میں ہندستان کے سابق سفیر دیوان چمن لال نے اس تجویز کے ذریعہ نہایت منصفانہ مطالبہ پیش کیا ہے کہ سارے پنجاب میں ہندی، گورمکھی اور اردو رسم الخطوں کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے۔ آپ نے کہا ہے کہ مجھے یہ بات قطعی غیر منطقی معلوم ہوتی ہے کہ صوبہ پنجاب کے لوگوں پر ایک ایسا رسم الخط زبردستی مسلط کیا جائے جس سے وہ مانوس نہ ہوں۔ ریاست کے سارے علاقے میں تینوں رسم الخطوں کی اجازت ہونی چاہئے۔ جو لوگ نہایت ہی بے تکلفی کے ساتھ اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دے کر اس کے حامیوں کو پاکستان جانے کا مشورہ دیتے ہیں انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ دیوان چمن لال پکے اور سولہ آنے ہندو واقع ہوئے ہیں اور اردو زبان کے حامی ہونے کی بنا پر وہ ترک وطن کرکے پاکستان جانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔ پنجاب کے تنگ نظر اکالیوں و ہندوؤں کے درمیان صوبہ کی زبان کے سلسلے میں گورمکھی اور ہندی کا جھگڑا ہے کہ ان میں سے کوئی زبان ریاست کی سرکاری زبان ہو۔ لیکن دیوان چمن لال اور ان کے ساتھی انصاف پسند پنجابیوں کا مطالبہ ہے کہ ہندی و گورمکھی کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی ریاست کی علاقائی زبان قرار دیا جائے۔ کیونکہ ریاست کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد تنہا اردو زبان سے واقف ہے اور اس کے ساتھ سخت ظلم و ناانصافی ہوگی کہ اسے اردو چھوڑ کر زبردستی ہندی یا گورمکھی زبان جس سے وہ قطعاً ناواقف ہے سیکھنے پر مجبور کیا جائے۔ ایسی صورت میں کہ دستور ہند میں اردو چودہ مسلمہ زبانوں میں سے ایک زبان ہے کوئی وجہ نہیں ہے کہ کسی ریاست میں علاقائی زبان قرار دیے جانے کا مسئلہ کے جانے پر اس مطالبہ کو کیوں نہیں قبول کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ اس سوال پر استصواب کرایا جا سکتا ہے۔ اردو کے حامی اس کے لئے بالکل تیار ہیں (خلافت بمبئی)

انجمن کی کتابیں

اردو ہندی ڈکشنری

انجمن نے پچھے سال کی مسلسل محنت اور ماہرین لسانیات کی مدد سے یہ لغت تیار کی ہے۔

اس لغت میں دس ہزار سے زاید الفاظ اور ۲۰ ہزار کے قریب مترادفات کا انتخاب کیا ہے۔

ہندی الفاظ کے صحیح تلفظ کو واضح کرانے کے لئے ہر لفظ کا تلفظ رومن رسم الخط میں بھی لکھا ہے۔

قیمت ۲۰/- روپے

شعرا کے انتخابی سلسلے کی ۶ کتابیں

(۱)	مجاز	قیمت	۱۲ر آنے
(۲)	فیض	"	۱۲ر "
(۳)	اختر شیرانی	"	۱۲ر "
(۴)	جوش ملیسانی	"	۱۲ر "
(۵)	مجروح سلطانپوری	"	۱۲ر "
(۶)	احمد ندیم قاسمی		۱۲ر "

اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ

از:- ڈاکٹر محمد عزیز شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جس میں ڈاکٹر عزیز صاحب نے بڑی تلاش و تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور ان کے اخلاق کی اشاعت میں حصہ لیا۔

قیمت ۵/۸ روپے

چند اہم کتابیں

(۱) ایک مشرقی کتب خانہ (مبارز الدین رفعت) قیمت ۳/- روپے

(۲) اسلامی فن تعمیر " " ۶/۰ روپے

(۳) کچھ ذرکی بابت ابو سالم " ۴/۸ "

(۴) سیاسیات کے اصول پروفیسر ہارون خاں شیروانی

(تین حصے، حصہ اول ۱/۸ حصہ دوم ۲/- حصہ سوم ایک روپیہ)

(۵) باپو کے قدموں میں ڈاکٹر راجندر پرشاد، مکمل سٹ ۱/۵ روپے

(۶) قومی تہذیب کا مسئلہ ڈاکٹر سید عابد حسین ۵/۸ "

میر تقی میر

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی

میر کی حیات و شاعری پر پہلی اہم تصنیف

میر کی شاعری اپنے عہد کے تاریخی حالات کے پس منظر

اردو کے ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف

قیمت ۱۲/- روپے

دھمپد

مہاتما بدھ کی تعلیمات کا منظوم ترجمہ جو بدھ مت کی تعلیم کی بنیاد ہے

قیمت ۲/- روپے

غالب پر دو اہم کتابیں

مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین

احوال غالب (غالب کی حیات پر) ۹/- روپے

نقد غالب (غالب پر تنقیدی مضامین) ۱۰/- روپے

• پبلشر:- آل احمد سرور • پرنٹر:- ایجوکیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ